حافظ سعد الرشید ارشد ۔ فاضل دار العلوم حنفیہ
ایم اے اسلامیات ۔ عربی آنرز ۔ ایم ۔ اے عربی

انسانی زندگی
میں
مادیت اور روحانیت
کا
موازنہ

لغوی اعتبار سے لفظ مادہ ، مداد سے لیا گیا ہے جس کے معنی ظلمت ، سیاہی اور تاریکی کے ہیں۔ مادیت کا صحیح مفہوم حواس خمسہ سے خود بخود ذہن میں آجاتا ہے ۔

روح انسانی وجود میں ایک نورانی کیفیت کا نام ہے ۔ جو کہ پورے وجود میں جاری ، ساری رہتا ہے ۔ جس کے بغیر انسانی جسم ایک بے جان اور غیر مفید ڈھانچہ نظر آتا ہے ۔

مادیت اور روحانیت کا امتزاج | حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے انسانی وجود میں مادیت اور روحانیت کے امتزاج کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے ۔

" اے اشرف المخلوقات ! اگر تو اپنی معرفت چاہتا ہے ۔ تو پہلے سمجھ لے کہ تجھ کو دو چیزوں سے بنایا گیا ہے ۔ اول یہ جسم جس کا یہ ڈھانچہ تجھے نظر آتا ہے ۔ دوم وہ نفس (روح) جس کا تعلق دل سے ہے ۔ اس کو دیکھنے کیلئے حقیقی آنکھ کا ہونا ضروری ہے ۔ روح کو ہماری ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں ۔ اور اسی لئے انسان کی حقیقت اور ماہیت باطن سے متعلق ہے ۔ اور دل وجان کے علاوہ جسم کے تمام اعضاء اس کے ماتحت ہیں ۔ حقیقت کا نام دل ہے ۔ اس سے ہمارا مقصد اس ظاہری دل کے چھوٹے سے لوتھڑے سے مراد نہ ہوگا جو انسان کے سینے کی بائیں جانب ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے ۔ ہماری نگاہ میں اسکی کوئی وقعت نہیں البتہ یہ ظاہری نزغہ گوشت دل کی سواری لاعہ ہتھیار کی طرح ہے ۔ جن سے وہ کام لیتا ہے ۔ نیز جسم کے تمام اعضاء اس کا لشکر اور وہ ان پر حکومت کرتا ہے " (کیمیائے سعادت ترجمہ اردو ۔ صفحہ ۵۶)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے: سُبْحٰنَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلْمَۃِ وَالنُّوْرِ۔ یعنی کہ انسانی وجود مادے اور روح کی ترکیب کا نام ہے۔

مادیت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ (سورۃ المؤمنون پ۱۸ ع۱) یعنی انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا گیا۔ کیونکہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

مادی لحاظ سے انسانی ڈھانچے کی تکمیل کے بعد ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ الآیۃ۔ (سورہ المؤمنون پ۱۸ ع۱) پھر انسان کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا کیا۔ روحِ حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنایا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو روحانیت سے آراستہ اور مزین کرنے کیلئے ایک خاص قانون مقرر فرمایا۔ کہ حصول روحانیت کا بہترین ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ الآیۃ (سورۃ الذاریات پ۲۷ ع۳)

آیۂ کریمہ میں اس حقیقت کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ کہ جن و انس کی حیاتِ دنیاوی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ کیونکہ ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں فطری طور پر ایسی استعداد رکھی ہے۔ کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

عبادت اور بندگی کا مفہوم یہ ہے کہ خداوندِ قدوس کی طرف سے جو حکم ملے بسر و چشم اس کو تسلیم کر کے عملی مظاہرہ کرے۔ تاکہ عبادتِ الٰہی کی بدولت انسان روحانی لحاظ سے ترقی کرے۔

سابقہ سطور پر غور و خوض کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو گئی۔ کہ انسان روح اور بدن دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ روح اور بدن کی ترقی انسان کا فطری مطلوب ہے۔ یعنی مادی اور روحانی ترقیاں یکساں مقصود ہیں۔ بلکہ بدن سے زیادہ روحانی ترقی ضروری ہے۔ کیونکہ روح، بدن پر حکمران ہے۔ اور بدن کو لائحہ استعمال میں لاتا ہے۔ اگر انسانی جسم روحانی لحاظ سے ترقی یافتہ نہ ہو تو ناجائز امور شروع کر لیتا ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی، شراب، نیئز، سود خوری، کشت و خون اور دیگر خلافِ شریعت امور پہ آمادہ ہو جاتا ہے۔ انسانی معاشرے کیلئے باعث فساد بن کر حیوانیت کا ثبوت دیتا ہے۔ اسی طریقے سے امن داماں راحت و سکون اور اطمینان دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ ان تمام امنِ عامہ میں مخل امور سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی فطری تعلیم ہے۔ جو کہ صرف دینِ اسلام نے پیش کیا ہے۔ جس کا عملی نمونہ

تاجدار انبیاء۔ آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں نے پیش کیا ہے۔ آئندہ کے لئے بھی نسلِ انسانی کے لئے عام دعوت دیا گیا ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (الحدیث) کہ ع

تو کسی انسان سے انسان بننا سیکھ لے

بعض لوگوں نے عباداتِ اسلامیہ کا مفہوم خلوت گزینی اور گوشہ نشینی لیا ہے۔ لیکن ان کا تصوّر اسلامی اصول کے منافی ہے۔ کیونکہ اسلام دین و دنیا۔ بدنی اور روحانی ترّقی کا جامع ہے۔ جسمانی منافع وفوائد اور مادی ترّقی سے گریز کی تعبیر شریعتِ اسلامیہ نے "رہبانیت" سے کی ہے۔ جس کو خلافِ شریعت امور میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا۔ الآیۃ (سورۃ الحدید پ۲۷ ع)

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسکی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے:

"یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا نصاریٰ نے رسم نکالی۔ جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے۔ کمائی وغیرہ سے اپنے آپ کو بچاتے۔ محض عبادت میں لگے رہتے۔ مخلوقِ خدا سے نہ ملتے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ مگر جب اپنے اوپر ترکِ دنیا کا نام رکھا۔ پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ شریعتِ حقّہ اسلامیہ نے اس فطری اعتدال سے متجاوز رہبانیّت کی اجازت نہیں دی۔"

(تفسیر عثمانی ص۷۲۹)

رہبانیّت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ (الحدیث) یہ دینِ اسلام کا طرّۂ امتیاز ہے۔ اور دینِ اسلام کی عالمگیری اور جامعیّت پر دلالت کرتا ہے۔ کہ مادہ اور روح دونوں کو نہایت متوازن اور مناسب طریقہ سے چلایا جاتا ہے۔ مادے اور روح کے امتزاج اور ترکیب سے صحیح افادیّت نظر آتی ہے۔ مادے سے فائدہ حاصل کرنے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ الآیۃ ——

(سورۃ الاعراف پ۸ ع)

اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام کیا۔ جو کہ اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی۔ اور صاف ستھری کھانے پینے کی چیزیں۔ کیونکہ یہ نعمتیں درحقیقت ایمان والوں کیلئے حیاتِ دنیا ہی میں پیدا کر دی گئی ہیں۔ تمام موجوداتِ عالم اسی لئے پیدا کی گئی ہیں۔ کہ انسان ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالقِ

جلّ و علیٰ شانہٗ کی عبادت وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔
اسی طرح ارشاد فرمایا: خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا الآیۃ۔ (سورۃ الاعراف پ ۸ ع ۳)

مقصد یہ کہ کھانے پینے اور لباس و پوشاک میں اقتصاد اور اعتدال کا راستہ اختیار کرلیں۔ گوتم بدھ کی طرح سوکھ کر کانٹا بننے کی کوشش نہ کیا کریں۔ یا جین مت کے بانی مہاویر کی طرح انتہا پسندی کی پیروی ترک کر دیں۔ کیونکہ خداوند کریم نے جتنی نعمتوں سے ہمیں نوازا ہے۔ ان کو فضول اور بے کار نہ سمجھیں۔ بلکہ ان نعمتوں سے استفادہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کما حقہٗ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

مادیت اور روحانیت میں فرق | مادہ تاریکی، سیاہی اور ظلمت کا نام ہے اور روح روشنی اور نور کے مترادف ہے۔ مادہ مکانی ہے اور روح لامکانی ہے۔ مادہ قابلِ انقسام ہے۔ اور روح جزو لا یتجزّیٰ ہے۔ مادہ سفلی ہے اور انسان کو سفلیّت اور پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور روح انسان کو علو اور بلندی کیطرف لے جاتا ہے۔ مادے کیلئے غذا دنیاوی ہے۔ لیکن روحانی غذا ملکوتی ہے۔ انسان کی مادی وجود کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی وساطت سے بنالیتا ہے۔ لیکن روح کسی کی دخل اندازی کے بغیر منجانب اللہ اسی وجود میں آجاتا ہے۔

مادہ محسوس اور ثقیل ہے۔ لیکن روح کی کیفیت لطیف ہے۔ روح کی صحیح حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسا کہ یہودِ مدینہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ ان کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ الآیۃ (سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع)

یعنی کہ اللہ تعالیٰ کو روح کی حقیقت اور ماہیت کا علم ہے۔

ویسے تو دنیا کے بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے "روح" جو بہرحال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے۔ اسکی اصل ماہیت و حقیقت تک پہنچنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔؟

علامہ شمس الحق افغانی دامت برکاتہم نے مادہ کے بارے میں قدیم و جدید فلاسفر کے نظریات بتلائے ہیں۔ قدیم فلاسفر فطالیس کہتا ہے کہ مادہ کائنات پانی ہے ـــ قدیم فلاسفر فیثاغورث نے کہا ہے کہ عدد سے واحد اصل مادۂ کائنات ہیں ـــ قدیم فلاسفر افلاطون کا قول ہے۔ کہ مثالی اور تصوری حقائق مادۂ عالم ہیں ـــ جدید فلاسفروں نے تین نظریئے پیش کئے ہیں۔ پہلا نظریہ یہ کہ مادہ عناصر کا نام ہے

—— دوسرا یہ کہ مادہ ایٹمی اجزاء کا نام ہے۔ تیسرا یہ کہ برقی پاروں کا نام مادہ ہے۔ (الحق ج ۲ ع ۱ ص ۲۶،۲۷)

روحانیت کا مادیت پر تفوق اور برتری | اللہ تعالیٰ نے مادی لحاظ سے ارشاد فرمایا : اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۔الآیۃ (سورۃ التغابن پ ۲۸ ع ۲) تمہارے مال اور تمہاری اولاد کے بارے میں تمہارا امتحان لیا ہے۔ کیونکہ روحانیت حاصل کرنے میں یہ دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ انہی رکاوٹوں سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورۃ المنافقون پ ۲۸ ع ۱)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسکی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے:

" اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے (مراد اس سے مجموعہ دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں (یعنی دنیا میں ایسے منہمک مت ہو جانا کہ دین میں خلل پڑنے لگے۔) اور جو ایسا کرے گا۔ تو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ (کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جاوے گا۔ اور ضرر اخروی ممتد باد ائم رہ جاوے گا۔ (تفسیر بیان القرآن ص ۳ ج ۱۲)

مندرجہ ذیل دو آیتوں میں وضاحت کے ساتھ روحانیت اور مادیت کا موازنہ کیا گیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝ (سورۃ آل عمران پ ۳ ع ۱)

لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ جیسے عورتیں بیٹے۔ سونے اور چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر۔ نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ مال مویشی اور زراعت وغیرہ۔ یہ سب دنیوی زندگانی کی استعمال کی چیزیں ہیں۔ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو ان چیزوں سے متقیوں اور پرہیزگاروں کے لئے بدرجہا بہتر ہے۔ کہ ان کے رب کے پاس ایسے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ اور ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

بندوں کو خوب دیکھتے ہیں۔ (تفسیر بیان القرآن صد ج ۲)

شیخ التفسیر علامہ احمد علی لاہوری نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو طبقوں کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں دنیا پرستوں کا ذکر ہے۔ جو کہ مادی دنیا سے وابستہ ہیں۔ اور بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ کا ظاہری مصداق ہیں۔ دوسری آیت میں خدا پرستوں کا ذکر ہے جو کہ روحانیت سے مالا مال ہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں تفصیلی طور پر بتلایا گیا ہے۔ کہ دنیاوی مال و متاع میں پھنس کر انسان خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے۔ جو عیش و عشرت کے ساز و سامان میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ محض دنیا میں چند روز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اصل چیز روحانیت ہے۔ جو کہ ایک انسان کے لئے کامیاب مستقبل اور اچھا ٹھکانا ہے۔ صرف انسانی شکل و شباہت میں ہونا کوئی کمال نہیں۔ جب تک کہ روحانی طور پر ترقی کر کے ممتاز حیثیت حاصل نہ کرے۔ کیونکہ حقیقی نجات کا دار و مدار روحانیت پر ہے

ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ ڈاکو بھی اس درجہ کے تھے۔ کہ پہلے سے اعلان کر کے ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ ایک رات وہ اسی نیت سے مکان کی چھتوں سے گذر رہے تھے۔ کہ کسی روزن سے ان کو کچھ آواز سنائی دی۔ انہوں نے رک کر روزن سے کان لگا دیئے کوئی شخص اپنے گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ فضیل بن عیاض کے لمحہ سماعت کے وقت یہ آیت پڑھی گئی۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ــــ الآیۃ (سورۃ الحدید پ ۲۷ ع ۲) ۔ کیا مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے جھک جائیں۔؟

ان کلمات مبارکہ نے کیا عجیب تاثیر دکھائی۔ تیر کی طرح فضیل بن عیاض کے دل میں اتر گئے ـــ ایک دم نعرہ مارا، ہائے میرے اللہ! ـــــ اور پھر اسی لمحے چوری سے توبہ کر لی۔ بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی۔ اور روحانی منازل طے کئے کہ آج ان کا شمار ذی مرتبہ صلحائے امت میں ہوتا ہے۔

حضرت جعفر طیار نے حبشہ میں نجاشی بادشاہ کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ کہ مادی دنیا کے ساتھ رہتے ہوئے ان کا کیا کردار تھا۔ اور نور نبوت سے روحانی استفادہ کرنے کے بعد ان کے کردار میں کونسی نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ بدکاری کرتے تھے۔ پڑوسیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ زور آور، کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔ اتنے میں ہم میں ایک

شخص پیدا ہوا جس کی بزرگی سچائی اور ایمانداری سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی۔ اور بتایا کہ ہم بتوں کا پوجا چھوڑ دیں، سچ بولیں، ظلم سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، پاکدامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، خیرات دیں۔

ہم نے اس شخص کو خدا کا پیغمبر مانا اور اسکی باتوں پر عمل کیا۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی۔ اور ہم کو مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم اسکو چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں رہیں۔

(رحمتِ عالم صلعم صفحہ ۳۶ مصنفہ سید سلیمان ندویؒ)

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ الآیۃ   بارہا تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب ہوتی ہے۔

یعنی مادی لحاظ سے ظاہری شکل وشباہت میں مسلمان اور کافر ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لیکن نور ایمانی اور روحانی استفادہ کی بدولت مسلمانوں کی قلیل جماعت کو کفار کے جمِ غفیر پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ لفظ انسان علی سبیل الاطلاق ہر مسلمان، کافر، منافق، مشرک وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں انسان کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل سے تسلیم کر کے عملی مظاہرہ کرے۔ بقیہ افراد سے انسانیت منتفی کر دی اور فرمایا: أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔ الآیۃ۔

یہ لوگ انسانیت تو درکنار! حیوانات سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ کیونکہ حصول روحانیت کی خاطر جتنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے ساری قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل وتکمیل کے لئے وقف کر دیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ (الحدیث) دنیا دار العمل ہے۔ محنت ومشقت اور تکالیف کی جگہ ہے۔

اس دنیا میں آکر انسان نے آخرت کیلئے بہترین اعمال کا ذخیرہ جمع کرنا ہے۔ کیونکہ انسان کی پیدائش اسی لئے کی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ۔ (الحدیث)

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے حدود وقیود کے مطابق زندگی گزارے اور

روحانیت کے حاصل کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ کیونکہ روحانیت ہی کی بدولت مہذب معاشرہ قائم رہ سکتا ہے۔ آجکل روحانیت نہیں ہے۔ اس وجہ سے مالی حالت بہتر ہونے کے باوجود خودکشی ہوتی ہے۔ قتل وغارت ہوتی ہے۔ چوری، ڈکیتی کا بازار گرم رہتا ہے۔ زنا، حرام کاری ہوتی ہے۔ راحت اور آرام نہیں ہے۔ دلوں کو تسکین نہیں ہے۔

اسلام نے عقائد، اخلاق، عبادات کا وہ بہترین نظام انسان کو دیدیا۔ جسکی وجہ سے انسانی روح اور انسانی حیات، خالق ارواح اور خالق حیات سے مکمل طور پر مربوط ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ خواہشات پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے۔ اور خواہش سے مغلوب ہونا حیوانیت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا۔ کہ قناعت سے مراد حرص دنیا کی کمی ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ دولت کے بھوکے کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ خالی پیٹ شیطان کا قیدخانہ ہے۔ اور بھرا پیٹ شیطان کا اکھاڑہ ہے۔ حاصل یہ کہ حقیقی مسلمان درویشی میں بھی امراء سے زیادہ خوشحال رہتا ہے۔

احادیث طیبہ کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف کا مضمون یہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقیر اور غریب وہ شخص ہے۔ جس کا نامہ اعمال نیکیوں سے خالی ہوا۔ کیونکہ تعلق مع اللہ قناعت پیدا کرتا ہے۔ جو کہ حقیقی غنا ہے۔ اور تعلق بالمال سے حرص پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ غربت اور محتاجی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ یعنی انسانی کی سعادت مندی اور خوش قسمتی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ اعمال کا محاسبہ کرے اور مرنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرے۔

علامہ شفیق بلخیؒ نے موجودہ معاشرے میں روحانیت کے فقدان اور مادیت کے ساتھ مربوط ہونے کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تشریح فرمائی ہے۔

لوگ چار باتوں میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں۔ اور عمل میں خلاف۔

۱۔ کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور عمل آزادوں جیسے کرتے ہیں۔ ۲۔ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کا کفیل ہے۔ مگر دل ان کے مطمئن نہیں مگر دنیا کی چیز سے۔ ۳۔ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ لیکن دنیا کے لئے مال جمع کرتے ہیں۔ اور آخرت کے لئے گناہوں کو۔ ۴۔ کہتے ہیں کہ ہم بالضرور مرنے والے ہیں۔ لیکن عمل ایسے کرتے ہیں۔ کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔